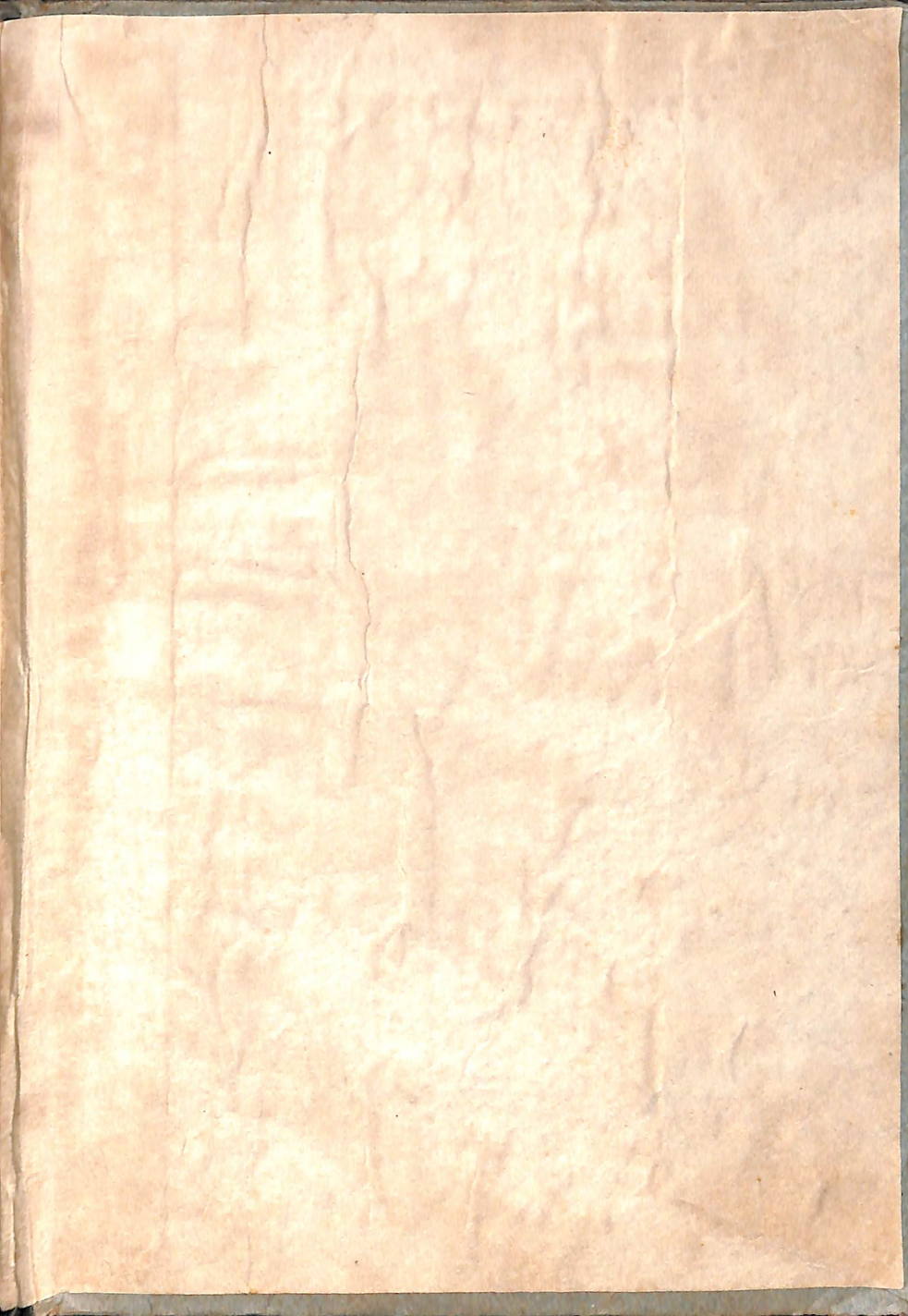


# جلد ہفتم

قصید شفاۓ

مکتبہ پگڈنڈی امرتسی











جلد ہنگ

قتیل شفائی

مکتبہ پگڈنڈی امرتسر

(جملہ حقوق بحق مکتبہ پگڈنڈی امرتسر محفوظ)

اگست ۱۹۵۵ء

بار اول

۲ روپے ۷۵ آنے

قیمت

پبلشرز :- مکتبہ پگڈنڈی امرتسر  
پرینٹرز :- رام آرٹ پریس امرتسر



# ترتیب

- بازار ، ۹  
 ایکڑا ، ۱۲  
 پیغام ، ۱۴  
 معذرت ، ۱۷  
 سندلیہ ، ۱۹  
 ایک نظم ، ۲۱  
 سرتاج ، ۲۶  
 نگارِ سیمیں ، ۲۸  
 زودِ پشیمان ، ۳۰  
 نو مولود ، ۳۲  
 خمیانہ ، ۳۵  
 شہر کے اس گوشے میں ، ۳۸  
 ایک عورت ، ایک ایکڑس ، ۴۱  
 تاجروں کے دلیں میں ، ۴۷  
 مغویہ ، ۵۲

اقبال کے تاجر، ۵۵

فطرانہ، ۵۸

السان، ۶۰

جشنِ آزادی، ۶۲

آرٹو نینس، ۶۴

غنائین سرحد، ۶۶

کشمیر، ۶۹

بیلابی، ۷۱

ہلام، ۷۳

گیت، ۷۵

قطعات، ۷۸ تا ۸۰

غزل، ۸۱ تا ۱۱۲



تیرا آنچل رنگ رنگیلا رنگ رنگ میں باس نہی  
میرے من کی آس پُرانی تیرے تن کی پیاس نہی  
تو بگیا کی تستلی بن کر پھول پھول پر جھولے  
کلی کلی سے پیار بڑھائے رت رت کے دکھ بھولے  
ایک سماں ہے تجھ کو ساون ہو یا سرسوں بھولے  
تیرا جو بن ایک پہیلی تیری آس نرا س نہی  
تیرا آنچل رنگ رنگیلا رنگ رنگ میں باس نہی

روپ ترنگ میں تیری منہ پھٹ چنچلتا اترائے  
 انگ انگ میں سچی سچائی سندرتا بل کھائے  
 سنگ سنگ اُن دیکھے سپنوں کی شو بھالہ رائے

جیون کے ہر موڑ پہ تیری آس رچائے راس نئی  
 تیرا پھل رنگ رنگیلا رنگ میں باس نئی  
 ایک اڑان سے تو اُکٹائے بار بار پر تو لے  
 ایک چال نہ بھائے تجھ کو قدم قدم پر ڈولے  
 اس پر بھی من مَور کہ میرا تیری ہی جے بولے

میرے ساتھ پرانی چھایا، کایا تیرے پاس نئی  
 تیرا پھل رنگ رنگیلا رنگ میں باس نئی



## بازار

جوانی، حسن، غمزے، عہد، پیریاں، قہقہے، نفیسے  
 رسیلے ہونٹ، شرمیلی نگاہیں، مرمریں باہیں  
 یہاں ہر چیز بکتی ہے!

خریدارو!

بتاؤ کیا خریدو گے؟  
 بھرے بازو، گٹھیلے جسم، چوڑے آہنی سینے  
 بلکتے پیٹ، روتی غیرتیں، سہمی ہوئی آنکھیں  
 یہاں ہر چیز بکتی ہے!

خریدارو !

بتاؤ کیا خریدو گے ؟

زبانیں، دل، ارادے، فیصلے، جاں بازیاں، نعرے

یہ آئے دن کے ہنگامے، یہ رنگا رنگ تقریریں

یہاں ہر چیز بکتی ہے !

خریدارو !

بتاؤ کیا خریدو گے ؟

صحافت، شاعری، تنقید، علم و فن، کتب خانے

قلم کے معجزے، فکر و نظر کی شوخ تصویریں،

یہاں ہر چیز بکتی ہے !

خریدارو ! بتاؤ کیا خریدو گے ؟



اذائیں، سنگھ، حجرے، پاٹھ شالے، ڈاڑھیاں، تشقے  
 یہ لمبی لمبی تسبیحیں، یہ موٹی موٹی مالائیں  
 یہاں ہر چیز بکتی ہے!

خریدارو!

بتاؤ کیا خریدو گے؟  
 علی الاعلان ہوتے ہیں یہاں سودے ضمیروں کے  
 یہ وہ بازار ہے جس میں فرشتے آ کے بک جائیں  
 یہاں ہر چیز بکتی ہے!

خریدارو!

بتاؤ کیا خریدو گے؟

## ایکسٹرا

نگار خانے کی سُر مٹی بدلیوں میں اُلجھے ہوئے ستارے  
 شباب کی اس بلند پستی سے کوئی کیونکر تجھے اُتارے  
 ترے بدن کے حواں بگولے اک ایسا ماحول بن رہے ہیں  
 کہ جس کے پُری پہچ راگنڈرا ہٹوں کا سنگیت سُن رہے ہیں  
 تری یہ مجبور جس کاری فریب کامل بنی ہوئی ہے  
 ہر ایک مٹھو کہ تری نظر میں نشان منزل بنی ہوئی ہے  
 مجھے تو ڈر ہے یہ تہقے آخر آنسوؤں میں بدل نہ جائیں  
 بدن کے یہ تجربے تری عمر سے بھی آگے نکل نہ جائیں



یہ فن کے دیوتا جنھیں تم سے فن کی نقرئی باس آ رہی ہے  
اب ان کی فطرت برہنہ ہو کر کہیں کہیں ڈگمگا رہی ہے  
ترمی نظر کا علیل سپنا نڈھال ہو کر لچک نہ جائے  
ترے بدن کا بھرا کٹورہ کسی کے ہاتھوں چھلک نہ جائے  
یہ چور بازار ہے چلن ہے یہاں نہ گورے بچے نہ کالے  
کوئی تبسم فروش تاجر کہیں تجھے بھی نہ بیچ ڈالے  
اگر تری سادگی کی چلمن سے کوئی "فنکار" جھانک لے گا  
تو زندگی کا سیاہ تیرے فراق میں زہر پھانک لے گا

## پیغام

ابھی پچھلے برس تو نے مجھے پیغام بھیجا تھا  
 کہ میں تیری تمناؤں کو خوابوں سے نہ بہلاؤں  
 تمے گاتے ہوئے ماحول کے زریں اندھیرے میں  
 بلکتی حسرتوں کا ایک بھی تارا نہ چمکاؤں  
 اگر تیری جنابتِ دی میں خونِ حسن شامل ہو  
 تو میں پس منظرِ حالات سے پردہ نہ سرکاؤں  
 کسی تہوار پر جب تو کھلونابن کے رقصاں ہو  
 تو میں اس حال میں تکتا ہوا تجھ کو گند جھاؤں  
 مجھے اس سال بھی تو نے یہی پیغام بھیجا ہے



مجھے اس سال بھی تو نے مروت کی قسم دے کر  
 بیان و فکر کی آزاد گفتاری سے روکا ہے  
 اگر تیری غلط اندیشیوں پر مجھ کو رونا ہوتا  
 تو اس اقام پر تو نے مری جرأت کو ٹوکا ہے  
 دروغ مصلحت اندیش سے تو مطمئن ہوگی  
 مگر میری نگاہوں میں یہ ذلت کا کچھو کا ہے  
 محبت کو اگر پرکھیں تجارت کے اصولوں پر  
 تو اپنی آدمیت سے یہ اک رنگین دھوکا ہے  
 مجھے اگلے برس بھی کیا یہی پیغام آئے گا؟

اگر اگلے برس بھی تو یہی پیغام بھیجے گی؛  
 تو میں احساس کی رفتار کو دوچند کر دوں گا

کچھ اس سے بھی زیادہ تیز کر کے دھڑکنیں دل کی  
 بزورِ شوق تجھ کو پیار کا پابند کر دوں گا  
 محبت کی صداقت کو سجاؤں گا نگاہوں میں  
 تلون پر میں اپنی فکر کے در بند کر دوں گا  
 نئے خوابوں سے تیری حسرتوں کو جگمگاؤں گا  
 تیرے ایک ایک جلوے کو ضرورت مند کر دوں گا  
 مجھے پھر اور ہی تیرا کوئی پیغام آئے گا!



## معذرت

مجھ سے پہلے بھی تری انجمن ناز میں آیا ہے کوئی  
 تری باتوں میں نہ رو سیم کی جھنکار سنی ہے میں نے  
 روح میں گونج اٹھا پھر وہی قلاش نہامت کا سوال  
 کیوں تری راہ میں اخلاص کی دیوار چینی ہے میں نے

اس سے پہلے بھی کوئی شعلہ جو آلا ضیا پاش رہا  
 اس سے پہلے بھی کسی آئینے کو مجبوس کیا تھا میں نے  
 اس سے پہلے بھی (سکھتے ہوئے احساس نہامت کی قسم)  
 اپنی آنکھوں سے اُڑتا ہوا سیلاب پیا تھا میں نے

کل ترا پیار تملار ششم و کخواب کی میزافوں میں  
آج تعمیر وفا کون کرے جسم کی بنیادوں پر  
میں تو اُس جلوہ صد رنگ سے محروم بھی رہ کر خوش ہوں  
حقے جس کو مقدم رہیں انسان کی فریادوں پر



## سندیسہ

اگر احساس کے شعلوں سے جلتا ہے ضمیر اس کا  
 تو میں اس بے بسی کو بھی وفا کا نام دے دوں گا  
 اگر اس کے تاون میں کوئی طوفاں نہیں آیا  
 تو میں اُس کی تڑپ کو پیار کا انعام دے دوں گا  
 اگر پلکوں کی چلمن سے ہمکتا ہے کوئی آنسو  
 تو میں اپنی مروت کو صلائے عام دے دوں گا

کسی پیغام سے پہلے

کسی پیغام سے پہلے مگر مجھ کو یقین آئے  
 کہ افسانے کبھی ماضی کے دہرائے نہ جائیں گے

کھٹکتی آنچ سے ہرگز نہ بجھلے گی کوئی حسرت  
 بدن کے زاوے بازار میں لائے نہ جائیں گے  
 خلوص دلربائی کو خرید سے گی نہ زرداری،  
 محبت کو سنہرے طوق پہنائے نہ جائیں گے

کسی الزام سے پہلے

کسی الزام سے پہلے بھی لیکن سوچنا ہوگا  
 کہ جرم بے وفائی کا زمانے میں سبب کیا ہے  
 کبھی احساس کا جو قصہ تھا اب کیا ہوا اس کو  
 جب آنکھوں میں محبت کی تمازت تھتی تو اب کیا ہے  
 نظامِ زر کی بنیادوں سے مجھ کو پوچھنا ہوگا  
 یہ مجبوری، یہ محرومی، یہ سفاکی، یہ سب کیا ہے



## ایک نظم

اے کسی گلشنِ زریں کی گراں قدر کلی  
 اپنی اُجڑی ہوئی مہکار چھپا لے مجھ سے  
 اے کسی بسترِ کمخواب کی بے رنگ شکن  
 اپنا رونا ہوا کر دار چھپا لے مجھ سے  
 اے کسی جنتِ زرفام سے آنے والی  
 اپنا ٹوٹا ہوا پندار چھپا لے مجھ سے

تو نے اک بار کہا تھا مجھے تنہائی میں

پیار دولت کا پرستار نہیں ہو سکتا

زندگی حرص کے پہلو میں نہیں ہو سکتی

جسم رسوا سر بازار نہیں ہو سکتا

ولوے رُوح کے نیلام نہیں ہو سکتے

حسنِ ذلت کا پرستار نہیں ہو سکتا

مصلحت آج مگر جیت چکی ہے تجھ کو

کوئی کس منہ سے کہے ہنس و غنوار تجھے

کوئی کس دل سے کہے پیار کی رانی تجھ کو

کوئی کس طرح کہے پیکرِ ایشا تجھے



تو نے بیچی ہے سرِ عام جوانی اپنی  
گد گداتی ہے زروِ سیم کی جھنکار تجھے

یہ تیرا پیار ترے جسم کا سودا ہی سہی  
اب تری رُوح تم سے پاس نہیں آئے گی

یہ ترا دل کہ بھٹکتا ہی چلا جاتا ہے  
اس میں اب شدتِ احساس نہیں آئے گی

تو نے ہر چند گراں نرخ یہ جلوے بیچے  
یہ تجارت بھی تجھے اس نہیں آئے گی

دیکھ اس دورِ جہاں سوز کے ویرانے ہیں  
لذتِ جسم کے طوفان بہرِ گام اُٹھ

کیا یہی تجھ کو سکھایا ہے نظامِ زرنے  
 کہ محبت کا جنازہ سحر و شام اُٹھے  
 کیا یونہی پیار کی توقیر ہوا کرتی ہے  
 کہ مہکتی ہوئی ہر سانس کا نیلام اُٹھے

دیکھ اس دہر میں اربابِ ہوس کے ہاتھوں  
 آبرو پیار کی مٹی میں ملی جاتی ہے  
 حرص کا شور فضاؤں میں رچا جاتا ہے  
 باتِ اخلاص کی ہونٹوں میں سلی جاتی ہے  
 سادگیِ حسن کا مجروح تبسم بن کر  
 کسی جلاؤ کے چہرے پہ کھلی جاتی ہے



تو کہ اب تجھ سے تجھے کوئی سروکار نہیں

بن کے تو کس کے لئے آئینہ رُو آتی ہے

یہ نمائش کی محبت اسے میں جانتا ہوں

سامنے میرے تو کیوں سہمی ہوئی آتی ہے

اب کوئی راز چھپانے سے نہیں چھپ سکتا

تیرے دامن سے مرے خون کی بو آتی ہے

## سراج

چلمن سے ابھرتی ہیں کھنکتی ہوئی کرنیں  
 گاتی ہے فضا میں کوئی زر پوش کلائی  
 میں حلقہٴ لغات میں حیران کھڑا ہوں  
 آنکھوں سے سمیٹے ہوئے اک جشنِ طلائی

یہ جشنِ مسرت، جسے تخلیق کیا ہے  
 آرام سے بیٹے ہوئے پچاس برس نے  
 یہ قافلہٴ عمر کی روندی ہوئی منزل  
 پوچھا ہے جسے حرص کی آوازِ جبریں نے



یہ سانس، یہ سوکھے ہوئے پتوں کا ترنم  
 یہ جسم، یہ ٹوٹا ہوا پیستل کا کسٹورا  
 یہ رنگ، یہ تیزاب میں ڈوبی ہوئی چاندی  
 یہ عمر، یہ بھادوں کی ہواؤں کا ہلورا

کچھ بھی نہ سہی خون کی بے کیف حرارت  
 دولت نے اسے پیار کا حق دے تو دیا ہے  
 گلچیں کی مچلتی ہوئی مشاق نظر نے  
 کوئیل کو خدا بارِ قسق دے تو دیا ہے

راتوں کا جس ہو کہ گجر دم کی ہوا میں  
 گجروں کی یہ جھنکار جھروکے میں رہے گی  
 جب تک نہ حقائق سے ہٹا دے کوئی پردہ  
 عورت یوں ہی اخلاق کے دھوکے میں رہے گی

## نگارِ سیمیں

سینہ ہے کہ بلور کی شفاف صراحی    باہیں ہیں کہ برسات کے مہکتے ہوئے جھولے  
 رفتار ہے یا صبح کا گاتا ہوا جھونکا    زلفیں ہیں کہ اُڑتے ہوئے پریچ بگولے

یہ قد جو کھنک جائے تو کانشی کا کٹورا

یہ آنکھ جو اُٹھے تو ستاروں کو بھی چھوے

اے قص کے انداز میں چلتی ہوئی دیو    آ میں تجھے آنکھوں کے شوالے میں سجاؤں  
 آ وقت کے صحرائوں میں بھٹکی ہوئی بون    آ میں تجھے راہوں کے دھندلے سے سجاؤں

آ حرص کے شعلوں میں جھلستی ہوئی رانی

آ میں تجھے مہنگی ہوئی پلکوں میں چھپاؤں



یہ رات یہ حالات یہ تاریک اُجالے ایسے ہیں تھے جسم کو چپن آنہ سکے گا  
اے شمع تری عمر یہ جو بیت ہی ہے بے دروزمانہ تجھے سمجھانہ سکے گا

اک روز پہل کر کسی آغوش میں کھوجا

ہر رات کا جلنا تجھے راس نہ آسکے گا

## زود پشیمان

چند سال اس طرف زندگی کے حسین جلوہ زاروں سے منہ موڑ آئی ہوں میں  
ایک نورنگ منزل کی خاطر کئی ہم سفر راہ میں چھوڑ آئی ہوں میں

میری آنکھوں میں چمکی سجیلی کرن

میرے سینے میں ناچی ریلی لگن

میں نے آواز دی

میں نے پرواز کی

میں اُڑی اُڑ کے برسوں ادھر آگئی

میں کہاں کھو گئی میں کدھر آگئی !



کیا یہی ہے وہ منزل کہ جس کے لئے اُن گنت ہمسفر چھوڑ آئی ہوں میں  
چند سال اس طرف زندگی کے حسین جلوہ زاروں سے منہ موڑ آئی ہوں میں

میری آواز میں وہ کھنک بھی نہیں

میری پرواز کی وہ دھنک بھی نہیں

مجھ کو آواز دو

ذوق پرواز دو

میں انہیں راہنماؤں کی ہو جاؤنگی

میں انہیں جلوہ زاروں میں کھو جاؤنگی

چند سال اس طرف جن حسین جلوہ زاروں نظاروں سے منہ موڑ آئی ہوں میں

## نو مولود

درت کے کھول دو، پرے ہٹا دو ان کو اڑوں سے  
 کہ میرے خون کی میٹھی حرارت دور تک پہنچے  
 وہ حسرت جو مری آنکھوں سے رہ رہ کر بہہ سکتی ہے  
 نشیبِ خاک سے اُڑ کر فرازِ طور تک پہنچے

فرازِ طور۔ جس پر اک تجلیِ رقص فرما ہے  
 نشیبِ خاک کے ذروں کی دھڑکن سن نہیں سکتا  
 وہ آنسو دیکھ کر بھی قہقہوں میں جھومنے والا  
 شرارے پھانک لیتا ہے ستارے چُن نہیں سکتا



مری سانسوں کی شہنائی تو میٹھی راگنی چھیرے  
 مگر ہونٹوں کی لرزش پھیل کر فربہ یاد بن جائے  
 مرے چہرے کی رعنائی تو اُجلی چاندنی ڈھالے  
 مگر آنکھوں کی حسرت درد کی بنیاد بن جائے  
 مری معصوم حیرانی بھی جانے کیا تماشا ہے  
 کہ جو بھی دیکھنے آئے سہرا یا یاد بن جائے  
 (یہاں اب تلخ یادوں کی نمائش کے سوا کیا ہے)

وہ یادیں تلملاتی ہیں ضمیرِ عمیدِ ماضی میں  
 جنہیں یک رنگی حالات نے نغمے سنائے تھے  
 وہ یادیں کلبلاتی ہیں دماغِ طاقِ نسیاں میں  
 جنہیں بے داغ باہوں نے کبھی جھوٹے جھلائے تھے

وہ یادیں آہ وہ یادیں کسے اب ہوش ہے ان کا  
وہ دن شاید کبھی اس گھر میں جھونکا بن کے آئے تھے

یہ دولت اور یہ اونچی حویلی بھی نہ تھی لیکن،  
تھی دستی کے عالم میں بھی اطمینان تھے کیا کیا  
یہ میرے ہم سفر جب منزل ہستی پہ ابھرے تھے  
تو ان کی پاسبانی کے یہاں امکان تھے کیا کیا

مقدس ماں کے آنسو آج لیکن مجھ پہ ہنستے ہیں  
کہ میرے دل کی دھڑکن میرا خالق سُن نہیں سکتا  
وہ آنسو دیکھ کر بھی تہقہوں میں جھومنے والا  
شرارے پچانک لیتا ہے ستارے چُن نہیں سکتا



# خمیازہ

سال خوردہ ذہن پر اُگتے ہوئے غم کے نقوش  
 نیلگوں آنکھوں میں اندوہ وفا بویا ہوا  
 خون کی حدت رگوں کے جال میں اُلجھی ہوئی  
 سُرخ چہرہ جھریوں کی سیج پر سویا ہوا  
 عمر کا بے وقت ماتم حسرتوں کی لاش پر  
 آرزوؤں کا کفن زہر اب میں دھویا ہوا  
 کیا یہی وہ زندگی ہے جس پہ تجھ کو ناز ہے  
 بے مروت یہ ترے انجام کا آغاز ہے

تو نے جس دولت کے بل پر عشق کی یلغار کی  
 آج اس دولت کے حوین پر بڑھا پا گیا  
 تو نے جس ملبوس سے ڈھانپے امارت کے جذام  
 حادثوں کا ہاتھ اس ملبوس کو اٹھا گیا،  
 تو نے جن محلوں میں دیکھے حرص کے رنگین خواب  
 وقت کا بھونچال ان محلوں کے گنبد ڈھا گیا

جم چکا ہے خون اب تیرے دل بے صبر میں  
 دفن ہونا ہے تجھے اب حسرتوں کی قبر میں

یاد تو ہوگی تجھے اس شام کی افسردگی  
 جس نے ان نیکوں کی تربت پر جلانے تھے چراغ  
 یاد تو ہوگا تجھے وہ آتشِ نخوت کا زور  
 جس کے شعلوں نے کسی کا پھونک ڈالا تھا دماغ



یاد کر اس مفلس و مجبور کے چہرے کا رنگ  
 تو نے توڑا تھا کبھی جس کی محبت کا ایاغ  
 تجھ سے شاید انتقام اس کا نہ دیکھا جائے گا  
 اب ندامت پر تری وہ تہمتے برائے گا

تو نے سمجھا تھا مرے سینے میں خنجر گھونپ کر  
 اس سے دنیا میں کوئی کھرام مچ سکتا نہیں  
 مفلسوں کا خون اس دنیا میں ارزاں ہی نہیں  
 بھیڑیوں کو اب مگر یہ زہر پیچ سکتا نہیں  
 اب تو ہر نمرود جل جائے گا اپنی آگ میں  
 وقت کی زد سے کوئی فرعون بچ سکتا نہیں  
 آ کہ دونوں سر جھکائیں وقت کی آواز پر !  
 تو مرے انجام پر رو، میں ترے آغاز پر

## — شہر کے اس گوشے میں

سماعت جب کھنکتی ہے طرب خانے کی راہوں میں  
تو منزل کے تصور سے قدم للچا ہی جاتے ہیں  
اگر جیب و گریباں کی ہم آہنگی سلامت ہو  
تو نغموں کی مروت کے مقامات آ ہی جاتے ہیں

سنہری انگلیاں رکتی ہیں جب سازوں کی شہرگ پر  
تو نغموں کی چمکتی سانس رک جاتی ہے سینے میں



دورِ غمِ مصلحت آمیز بھی اک چیز ہے لیکن.....!  
چھلک جاتا ہے زہرا پالم ہر آگینے میں

تصورِ عمر کی اس حد پہ جا کر ہانپ جاتا ہے  
جہاں اہل ہوس بیداد پر بیداد کرتے ہیں !  
بمجبوری تھرتھرتی ہے جوانی برسرِ محفل.....!  
بدن کے مسکراتے زاویے فریاد کرتے ہیں

نظر کی نغمگی، زلفوں کے بل، ہونٹوں کی شیرینی  
یہاں ہر چیز جھوٹے پیار پر مجبور ہوتی ہے  
یہاں کردار کے اُجلے صنم ڈھالے نہیں جاتے  
یہاں ہر زندگی گفتار پر مجبور ہوتی ہے

جھروکوں سے مہکتے ہیں یہاں مہنتے ہوئے فاتح  
 یہاں چمکتا ہے سوزِ زندگی کی آغوش کا  
 یہاں دن کو بدن تلنتے ہیں میزانِ حکومت میں  
 یہاں جبتا ہے راتوں کو اکھاڑہ راہِ سناؤں کا

خریدارو یہاں ہر رات جشنِ عمام ہوتا ہے  
 یہ وہ منڈی ہے جس میں پیار کا نیلام ہوتا ہے



## ایک عورت۔ ایک ایکٹریس

فلش بیک

پلکوں پہ ہے ٹوٹے ہوئے پندار کا لاشہ

دیکھا ہے جوانی نے محبت کا تماشہ

ہونٹوں پہ خموشی کی تھکن مانپ رہی ہے

آنکھوں میں ندامت کی زباں کانپ رہی ہے

پازیب میں زنجیر کی جھنکار ہو جیسے

ملبوس میں تقدیر کی پھنکار ہو جیسے

چہرے پہ امارت کی حسیں خاک ملی ہے

چاندی کے کھنکے ہوئے سانچے میں ڈھلی ہے

سینے میں شرارے، نہ حرارت ہے بدن میں  
 اک لاش ہے لپٹی ہوئی ریشم کے کفن میں  
 اس لاش کو مدفن سے نکالا بھی گیا ہے  
 اس راز کو ہونٹوں پہ اچھالا بھی گیا ہے  
 اس راز کو جب اہل ہوس عام کریں گے  
 اس لاش کے انگ انگ کو نیلام کریں گے  
 یہ جنس کچھ اس طرح سے ہر رات بیکے گی  
 اس ہاتھ سے نکلے گی تو اس ہاتھ بیکے گی !  
 کہتا ہے زمانہ مجھے منظور ہی ہے،  
 سرمائے کے ہر دیں کا دستور ہی ہے



## کلو ز آب

میٹھے لبوں پہ رنگ ہے برگِ گلاب سا  
 باتوں میں اک نشہ ہے صدائے رباب سا  
 ہر گام پر خیال کے پُر کیف زمزمے  
 ہر راہ میں فسوں نظر ہمسرا کا سا  
 پر پیچ گیسوؤں میں مہکتے ہوئے سے خواب  
 شانوں پہ ایک سایہ بڑاں سحاب سا  
 ماتھے پہ اک جلالِ ہنرمندی جمال  
 آنکھوں میں احتیاط گزیدہ حجاب سا  
 خمدار ابروؤں میں کمانوں سا بانگین  
 تیر نظر میں پیار بھرا اک عتاب سا

سینے کے مدوجز میں بے رحم زمرے  
 سینے کے زیر و بم میں سماں انقلاب سا  
 گاتی ہوئی سی روح میں بجتے ہیں جلت رنگ  
 بلور سے بدن میں لہو ہے شراب سا  
 دنیا کے ہر سوال کو چاندی میں تول کر  
 باہوں میں التفات بھرا اک جواب سا  
 ناگن بچھر کے آئی ہے عورت کے روپ میں  
 اک زہر یک ہے ماہی حلاوت کے روپ میں

لانگ شاٹ

رات کی تاریکی میں جیسے دولہا کے قدموں کی چاپ  
 جیسے بھرے گئے کنبے میں پیار کی ایک نظر بھی پاپ



جیسے لوٹ کے اک سناٹا مئے بند مخلکوں سے  
 مانگ رہی ہے یوں جیون کے سینے بھیگی پلکوں سے  
 سینے کی دھڑکن میں بیتے وقت کی دھڑکن سنتی ہے  
 آنکھوں کی راہوں پر آشاؤں کے ٹکڑے چنتی ہے  
 وہ نغمے جو ناچ رہے تھے چاندی کی جھنکاروں میں  
 آج دراڑیں ڈال رہے ہیں کانوں کی دیواروں میں  
 وہ حبیبیں سر رکھ کر جن پر چاندنی راتیں سوئی ہیں  
 کون کہے اب وہ ہر جائی کس دنیا میں کھوئی ہیں  
 جسم کی اجلی سیج پہ اب وہ رنگے نیچلے پھول نہیں  
 پیاد کا جھولا جھول کے سونا اب اس کلام ممول نہیں

کل تک جو بہروپ رچا تھا آنکھوں کے آئینوں میں  
 گردِ ساہن کر بیٹھ گیا ہے آج وہی قالینوں میں  
 یہ دولت جب مجبوروں کے پیٹ کا ایندھن بنتی ہے  
 پیار کی دیوی اطمینان کے بدلے آنسو جنتی ہے  
 عورت جس میں جنسِ نبی ہے اس بازار کو بند کرو  
 وقت کا بیوپاری کتنا ہے اس بیوپار کو بند کرو



# تاجروں کے دیس میں

ماں — ترے افلاس کے سبب اہمے بے سود ہیں  
 میری پلکوں پر ترے آنسو ابھی موجود ہیں  
 میرے سینے میں تری ہی بے بسی کا درد ہے  
 تیرے چہرے کی طرح میرا بھی چہرہ زرد ہے  
 چھین لایا ہوں اگر میں تجھ سے اپنے آپ کو،  
 ٹوک سکتی ہے تری ممتا مرے اس پاپ کو  
 لیکن اے بھوکے بڑھا پے کی مقدس بازار  
 گھر پہ فاقے آج بھی کرتے ہیں میرا انتظار

دن ڈھلے پڑتا ہے جب پہلا قدم دہلیز پر  
 تیر جاتی ہے نظر کی مُردنی ہر چہیز پر !  
 رُخ پہ اطمینان کا بہروپ بھر لیتا ہوں میں  
 سو بہانے اپنی مجبوری سے کر لیتا ہوں میں  
 ماں ! تری سادہ دلی ڈھلتی ہے جب تحریر میں  
 تلملاتی ہے نظر اک بے صدا زنجیر میں  
 تو کچھ اُن دیکھے محسوسوں سے بلاتی ہے مجھے  
 پھر بھی تیری خود فریبی ڈھونڈ لاتی ہے مجھے  
 بے مروت فکر کی ہر بات سُن لیتی ہے تو  
 موتیوں کے روپ میں کنکر بھی چُمن لیتی ہے تو



تو سمجھتی ہے کہ میں چاروں طرف مشہور ہوں  
 کون سمجھائے تجھے میں کس قدر مجبور ہوں  
 کون اُس فن کو کرے گا جذب اپنی ذات میں  
 جو لگائے بھوک کے پیوند احساسات میں  
 جی میں آتا ہے کہ ایسے فن کا دامن چھوڑ دوں  
 میرے بس میں ہو تو شہرت کے پروں کو توڑ دوں

ماں —! سمجھتا ہوں کہ مجھ سے کیا شکایت ہے تجھے  
 میری ہی مانند روٹی کی ضرورت ہے تجھے  
 تو نے پایا ہے اگر مجھ میں امارت کا سراغ  
 گونج اٹھا ہے ترے احساسات سے میرا دماغ

تیرے جیتے جی اگرچہ میں بنا قاتل ترا

میرے سینے میں دھڑکتا ہے ابھی تک دل ترا

تیرے خوں سے آج بھی رگ رگ مری سیراب ہے

جس کی میں تعبیر ہوں تو وہ سلگتا خواب ہے

لیکن اے بھوکے بڑھاپے کی مقدس رازد

گھر پہ فاقے آج بھی کرتے ہیں میرا انتظار

دُور، کوسوں دور تجھ سے علم و فن کے بھیس میں

یک رہی ہے بھوک میری تاجروں کے دیس میں

ماں۔ اترے نزدیک جس شہریت کا عظمت نام ہے

تاجروں کے دیس میں وہ چیز جنسِ خام ہے



رات بھر جب ذہن میں بوتا ہوں فن پارا کوئی  
 کاٹتا ہوں صبح دم ٹوٹا ہوا تارا کوئی،  
 روشنی کس کو ملی ہے کہ مکِ شب تاب سے  
 کس نے اطمینان پایا ہے فسوں خواب سے  
 صبح سے جب شام تک کنگال ہو جاتا ہوں میں  
 آپ اپنے مال کا دلال ہو جاتا ہوں میں  
 کوڑیوں کے مول بک جاتے ہیں فن پارے مرے  
 بچھ گئے ہیں بار بار کیچڑ پہ انگارے مرے  
 لیکن اب حالات کی نبضوں پہ میرا ہاتھ ہے  
 ہر قدم پر آج تیری بھوک میرے ساتھ ہے  
 اب جو اپنے فن کو مستقبل پہ لہراؤں گا میں  
 اُن گنت ماؤں کے دل کا چین بن جاؤں گا میں

## منغویہ

یہ جواں سال امنگیں، یہ اچھوتے ارماں  
 کس کی جھولی میں یہ انمول ستارے بھردوں  
 کون ہے جو مری زلفوں کی گھٹا سے کھیلے  
 کس کی آنکھوں میں سحر تاب شاہے بھردوں

یہ جواں سال امنگیں، یہ اچھوتے ارماں،  
 آج تک جسم کی دیوار سے آگے نہ بڑھے  
 جسم نے جبر کا ہر وار سہا ہے، لیکن  
 یہ ہٹیلے کبھی انکار سے آگے نہ بڑھے



لٹ گیا میرے بدن کا وہ تبسم، لیکن  
 اس سے عصمت کا تقدس تو نہیں چھن سکتا  
 پیاس بجھتی ہے سراپوں کے نظاروں سے کہیں  
 جاگنے سے۔ کوئی تارے تو نہیں گن سکتا

زندگانی کے عوض شرم و حیا کا نیلام  
 مجھ پہ اپنوں نے بھلا ظلم یہ توڑا کیوں تھا؟  
 میری الجھی ہوئی آنسوؤں کو پر کھنے والو  
 غیر کے رحم و کرم پر مجھے چھوڑا کیوں تھا؟

اُف یہ بید و زمانے کے المناک اصول  
 آپ ہی ظلم کرے، آپ ہی انصاف کرے  
 لذت و جبر کا فرق اس کو نہیں ہے معلوم؟  
 کون اس مصلحت اندیش کا دل صاف کرے

اُف یہ نفرت بھری نظروں کے بھیا ناک سائے  
 کاش اس رات کے پہلو میں سویرا ہوتا  
 یا مرے پاس بھی ہوتی کوئی تابندہ کرن  
 یا ہر اک سمت اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا

ہائے یہ رات، یہ خلوت یہ اُلجھتے ہوئے خواب  
 کس کی آنکھوں میں سحر تاباں سارے بھر دوں  
 یہ جواں سال اُمنگیں، یہ اچھوتے ارماں  
 کس کی جھولی میں یہ انمول ستارے بھر دوں



# اقبال کے تاجر

رقص گا ہوں سے مزاروں تک تو ہی تو جلوہ گر  
 کلغیوں کی شان تجھ سے گدڑیوں کا لال تو  
 کیسے کیسے مصر کے بازار ہیں تیرے لئے  
 دیکھ اپنے تاجروں کا نامہ اعمال تو

تو نے دہقانوں کے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر  
 خوشہ گندم کا ان کو دانہ دانہ دے دیا  
 آج لیکن تیری آنکھیں بند ہو جانے کے بعد  
 بھوک نے کھیتوں کو حسنِ مہربانہ دے دیا

تو نے مزدوروں کی محنت کے تحفظ کے لئے  
 شہریاروں کی رعونت کو ملایا خاک میں  
 آج لیکن تیری آنکھیں بند ہو جانے کے بعد  
 کچھ نہیں ہے مفلسوں کے دامن صد جاگ میں  
 تو نے مذہب کے تقدس کی حفاظت کے لئے  
 آدمیت کو بچایا مفسدانہ بیر سے  
 آج لیکن تیری آنکھیں بند ہو جانے کے بعد  
 بھائی بھائی بھی نظر آنے لگے ہیں غیر سے  
 تو نے کیا زلیست کے رازدروں افشائے  
 تیرا ہر پیغام تاویلوں میں لیکن کھو گیا  
 تجھ کو پیران سیاست بیچنے پر تل گئے  
 جو بھی چاہا شہریاروں نے وہی کچھ ہو گیا



رقص گاہوں سے مزاروں تک ترے نعیمے لٹے  
 کوچے کوچے میں ترے پیغام کو بھیجا گیا،  
 اُف یہ تیرے تاجروں کی شاطرانہ ذہنیت  
 ہر نئے سودے میں تیرے نام کو بھیجا گیا

## فطرانہ

ایک آواز۔ خدا دیکھ رہا ہے سب کچھ  
اپنے خالق کی پرستش کے لئے جھک جاؤ  
آؤ پیاسو تمہیں دریا سے ملے گی شبنم  
اس کے الطاف سے محروم نہ ہو رک جاؤ

کھنکھاتی ہوئی جیبوں کے رسیلے نغمے  
جھوم کر جب بھی سماعت پہ بکھر جاتے ہیں  
پیاس اور بھوک سے لتھڑے ہوئے مرلی چہرے  
سُرخ زری کی تمازت سے نکھر جاتے ہیں



زندگی چیتھی ہے۔ تم مجھے رسوا نہ کرو  
 پیٹ کہتا ہے کہ ایندھن تو بہر طور ملے  
 روح کہتی ہے کہ انسان کی توہین ہے یہ  
 جسم کہتا ہے نہیں اور ملے اور ملے  
 زندگی پیٹ کے سفاک تقاضے لے کر،  
 ہاتھ پھیلائے قطاروں میں کھڑی رہتی ہے  
 کوئی نغمہ، کوئی خوشبو، کوئی زرکار چمک  
 اسی امید پہ راہوں میں گڑھی رہتی ہے

ایک آواز — مقدر کی یہی ہے تقسیم  
 صبح نو تجھ کو ملے، مجھ کو سیہ رات ملے  
 گر خدا ہے تو اسے یہ نہ گوارا ہوگا  
 ایک سونے میں تلے ایک کو خیرات ملے

## انسان

اک جنم جنم کا روگی اپنا روگ دکھانے آیا۔ داتا۔ جنم جنم دکھ پایا  
 دین دھرم کی اوٹ سے تیری کھوٹ مٹا کر آیا۔ داتا۔ یہ کیا بھیس بنایا

تیرے دوارے دھنواؤں کے وارے نیارے دیکھے

تیرے چرنوں میں نردھن پر چلتے آئے دیکھے

تیرے بھوکے پریم پجاری گورکنارے دیکھے

تیری اندھی شر دھانے کیا کیا اندھیر مچایا۔ داتا۔ تجھ کو دھیان نہ آیا



تو نے کالے پیلے بچھو نگر نگر میں پالے،  
 بول یہ کیا انیائے ہے اوسا پیوں کے رکھوالے  
 امرت نردیوں میں بانٹے مجھ کو زہر پیالے  
 کیا اس کارن ہی میں نے تجھ کو بھگوان بنایا۔ داتا۔ کیا مانگا کیا پایا  
 میں تیری ان دیکھی صورت اپنے دھیان میں لاؤں  
 پرہت کاٹ کے، پتھر چاٹ کے، اپنا جی بہلاؤں  
 آپ بناؤں تیری صورت آپ ہی پھول چڑھاؤں  
 میں نے اپنی بھول سے جگمگ تیرا ڈھونگ چایا۔ داتا۔ اپنا آپ لٹایا  
 آج میں تیرے اونچے شیش محل کو ڈھانے آیا۔ داتا۔ بات مچکانے آیا

# جشن آزادی

مینہ برستا ہے تو دھرتی کی نظر جھومتی ہے  
 پھول کھلتے ہیں تو گلشن پہ نکھار آتا ہے  
 لیکن اے جشن بہاراں کے نئے منتظمو،  
 خود فریبی سے کہیں دل کو قرار آتا ہے

تم اگر جشن بہاراں بھی کہو گے اس کو،  
 موت کے گھاٹ یہ دھوکا بھی اُتر جائے گا  
 بادِ صحر کو اگر تم نے کہا موجِ نسیم،  
 اس سے موسم میں کوئی فرق نہیں آئے گا



یہ گلستان، یہ گلستاں میں سسکتے غنچے  
اپنے اعمال کے پردے میں انھیں ڈھانپ تو لو  
اقتدار آج بھی سرگرم سفر ہے لیکن  
بے نواؤں کے ارادوں کو ذرا بھانپ تو لو

آج انسان کی عظمت نے کیا ہے اعلان  
خود فریبی سے کوئی جی کو نہ بہلائے گا  
جب تک آرائش گلزار نہیں ہو جاتی  
کسی کو نیل کسی غنچے کو نہ چین آئے گا

لیکن اے جشن بہاراں کے نئے منتظمو

یہ تماشا ہمیں بے کار نظر آتا ہے  
مینہ برستا ہے نہ دھرتی کی نظر جھومتی ہے  
پھول کھلتے ہیں نہ گلشن پہ نکھار آتا ہے

# اردی نفس

جگمگاتے ہوئے ایوان شہنشاہی میں

جب سیہ فام قوانین جسم لیتے ہیں

جشن ثروت کے لئے امن جہاں کے دشمن

موت کے ہاتھوں میں قرطاس قلم دیتے ہیں

مملکت حجبہ زرکار میں بیٹھے بیٹھے

اپنے جمہور سے پیمان وفا مانگتی ہے

اور بیدارٹی جمہور وفا سے پہلے

اپنے تاریک گھروندوں میں ضیا مانگتی ہے



وہ ستارے کہ سحر تک ہے جوانی جن کی  
 ان کے ماتحتوں پہ درخشانی خوشید کہاں  
 وہ جفا کار جو انسان کا چہرہ نوحیں  
 ان سے آرائش آفاق کی اُمید کہاں

زندگی بھوک مٹائے کہ ہوا سے کھیلے  
 مطمئن پیٹ نہیں ہے تو وفا کیسی ہے  
 برہنہ جسم کو تلقین حیا کیا معنی  
 سانس رک جائے تو پھر مروج ہوا کیسی ہے

جب تڑپتا ہے کوئی درد کی شدت لے کر  
 اپنے درماں کے لئے خدمتِ جم جاہی میں  
 حکم ہوتا ہے کہ فریاد نہ ہونے پائے  
 جگمگاتے ہوئے ایوانِ شہنشاہی میں

## خوابین سرحد

کس سے فریاد کرے درءِ خیبر کا وقار  
 کس سے لپٹے مرے سر بن کی برہنہ چوٹی  
 کس کے دامن پہ گرائے کوئی جلتے آنسو  
 کس کی دہلیز میں بدے گی یہ قسمت کھوٹی  
 بھوک اُگلتے ہوئے کھیتوں میں بچائے ہمت  
 ہل چلاتے ہوئے چلاتے ہیں روٹی روٹی  
 جن کو پروردہ ذہنیتِ افراگ کہیں  
 کھا گئے فوج کے جمہور کی بوٹی بوٹی



کون اس دلیس میں دے گا ہمیں انصاف کی بھیک  
 جس میں خوشخوار و سندوں کی شنششاہی ہے  
 جس میں غلے کے نگہباں ہیں وہ گیدڑ جن سے  
 قحط و افلاس کے بھوتوں نے اماں چاہی ہے  
 یہ وہ خطہ ہے کہ ارباب ہوس کے ہاتھوں  
 جس کی تقدیر میں لکھی ہوئی گمراہی ہے  
 اُف یہ غیرت کے پرستار یہ غم کے پیکر  
 دل میں طوفان ہیں مگر چال میں رو باہی ہے  
 لوگ چلائیں مگر کاہل ثروت کے اسیر  
 اپنے زرین اصولوں پہ اڑے رہتے ہیں  
 یہ لٹیرے، یہ ہوس کا لٹیرے بل کر  
 فکرِ جمہور کی راہوں میں کھڑے رہتے ہیں

یہ وہ بے آب گلیں ہیں شہنشاہی کے  
 جو حکومت کی انگوٹھی میں جڑے رہتے ہیں  
 ان سے فریاد کی تلقین ہوئی ہے ہم کو  
 جن کے احساس پہ تالے سے پڑے رہتے ہیں

آؤ اے فاتحہ زدہ قوم کے بھوکے شیرو  
 ہر بڑی توند کے ہاتھوں سے نوالا چھینیں  
 یہ ستمگر تو پلاؤ یہ جھپٹتے حبائش  
 اور ہم راہ میں بیٹھے ہوئے چاول بنیں  
 چند ڈاکو تو یہاں مال غنیمت بانٹیں  
 اور ہم صاف کریں ان کے لئے قالینیں  
 آؤ اے آبلہ پاراھرواں منزل،  
 مسکراتی ہیں وہ گھوڑوں کی چمکتی زینیں



## کشمیر

آگ اور خون کے سنگم پہ کھڑی ہوں کب سے  
 اپنے سہمے ہوئے ماحول کا لاشہ بن کر  
 جیسے حالات کے بچہ رے ہوئے طوفانوں میں  
 رہ گئی ہومیری توقیر تماشہ بن کر

یہ لہکتے ہوئے شعلے یہ ٹپکتا ہوا غم  
 زندگی لرزہ بر اندام ہوئی جاتی ہے  
 بربریت کسی قانون کی پابند نہیں  
 آدمیت ہے کہ بدنام ہوئی جاتی ہے

مرے باغات، مری ڈل، مرے میٹھے جھرنے  
 ظلم کی گرم ہواؤں سے مجلس جابائیں گے  
 مجھ کو محسوس یہ ہوتا ہے کہ مہلت پا کر  
 حرص کے سانپ مرے حسن کو طس جابائیں گے

یہ رقابت کی کشاکش میں محبت کا زوال  
 کیا اسی ڈھب سے کوئی پیادہ کرے گا مجھ سے  
 حسن کو صبر گوارا ہے نہ دھوکہ، نہ فریب  
 کیوں کوئی پیادہ کا اصرار کرے گا مجھ سے

میں ہوں مختار جسے چاہوں بس ناؤں اپنا  
 جب کہ دنیا میں مساوات کا دور آیا ہے  
 میرے جو بن پہ حرص کا رنگا ہیں نہ رکیں  
 میں نے سینے میں دھر رکھا ہوا دل پایا ہے



## بیداری

جگمگاتے ہوئے مندر کے گلس ٹوٹ گئے  
 ایک فریادی جلنے لگی فانسوں میں  
 اک پجاری نے عقیدت کا گلا گھونٹ دیا  
 سر سرانے لگی پھنکار سی فانسوں میں  
 زندگی خاک بسرِ نوحہ کناں آ پہنچی  
 آدمیت کے تہی دست صنم خانوں میں  
 دیوتاؤں کی سلگتی ہوئی غنیمت آنکھیں  
 رقص کرنے کو بڑھی آتی ہیں انسانوں میں

دیویاں ریشم و کھواب کے دوشاوں سے  
اپنی عظمت کے تقدس کو ہوا دیتی ہیں  
لیکن احساس کے اس پار کوئی پوچھتا ہے  
یہ جواہر کی چٹائیں ہمیں کیا دیتی ہیں



## عوام

پھولوں کا شفاف پسینہ (اوس بھی جس کو کہتے ہیں)  
 وقت کے اُڑتے دامن میں یوں ہیرے موتی جڑتا ہے  
 سوچ کے عالم میں جیسے فنکار کے گرم خیالوں پر  
 ایک نئے شاہکار کا ٹھنڈا سایہ پڑتا ہے

اوس کے موتی بن کر ہم نے وقت کا روپ نکھار دیا  
 وقت کی عظمت شام سویرے نام ہمارا لیتی ہے  
 ہم نے کیا کیا رنگ ویٹے بے رنگ سیاست روں کو  
 سدا تمھاری ٹھنڈک کا ہر کلی سہارا لیتی ہے

آزادی کی دُھن میں ہم نے نوچا گرم شعاعوں کو  
ایک جیت کی خاطر ہم نے اپنا سب کچھ ہارا بھی  
لیکن اب تو رات کی تاریکی میں ہمیں چمکنا ہے  
پھولوں کا شفاف سینہ موتی بھی ہے تارا بھی



## گیت

موسم کا سلونا جادو—  
 سپینوں کی سجھیلی سچ پہ آشاؤں کے پھول سجائے  
 موسم کا سلونا جادو—

یہ جھیل سے گہرا نیل لگن، یہ روپ کمل، یہ رات  
 —چھیل چھیلی مست پون، یہ کرنوں کی برسات  
 مینوں سے نیند چرائے  
 موسم کا سلونا جادو—

موسم کے سلو نے جادو میں جب ڈوب کے نکلے دھیان  
 — پل پل دھیان کی لہروں پر لہرائے اک بلوان  
 سا جن کی یاد دلائے — موسم کا سلونا جادو،

سندور بھری یہ مانگے یہ اس کا پیاسا پیاسا روپ  
 کس کے انگ میں رنگ بھرے بادل سے چھپتی دھوپ  
 کچھ گڈ مڈ رنگ دکھائے — موسم کا سلونا جادو،

موسم کے بدلتے رنگوں میں اب جھلکے خون کا رنگ  
 — پیٹ کا دھندا پران پتی کی گود میں ڈالے جنگ  
 بارود کا مینہ برسائے — موسم کا سلونا جادو،



آکاش پہ ناچیں دھات کے ٹکڑے رن میں بسے آگ  
 — دور سنہرے دلش کاراجہ گائے موت کا راگ  
 اب کس کے من کو بھائے — موسم کا سلونا جادو

پردیس میں لو بھی کتے ٹوٹیں دھرتی ماں کی لاج  
 — نردیوں کی اس ٹولی میں اپنے بھی مہاراج  
 آپ اپنے سے شرمائے — موسم کا سلونا جادو

ہاتھوں میں چمی ہے مہندی پھر بھی مکھڑا جل تھل ہو  
 جس تن لاگے سوہی جانے اور نہ جانے کو،  
 سینے میں آگ لگائے  
 موسم کا سلونا جادو

# قطعات

کبھی کبھی ترے ہونٹوں کی مسکراہٹ سے  
مجھے بہار کی آہٹ سنائی دیتی ہے  
تری نگاہ کی یہ بے حجاب سرگوشی  
مجھے پھوار سی پرتی دکھائی دیتی ہے

جب آسماں پہ لپکتا ہے ہلکین تیرا  
تنی کیان سے کوئی تیر چھوٹ جاتا ہے  
ترے بدن کے جواں سال زمرے سن کر  
غور میری سماعت کا ٹوٹ جاتا ہے



اک ایسا وقت بھی آتا ہے چاندنی شب میں  
 مراد ماغ، مراد دل کہیں نہیں ہوتا،  
 ترا خیال کچھ ایسا نکھر کے آتا ہے  
 ترا وصال بھی اتنا حسین نہیں ہوتا

سانسوں میں سمو کہ وہی ہوئی سانسیں  
 ریشم سے وہ گیسو مری باتوں میں بچھاؤ  
 اے وقت کے پہلو میں دھڑکتے ہوئے مسنیو  
 اے جام کے مانٹ رکھنا تھی ہوئی یادو!

ہر چیز کی ترتیب کا معیار جدا ہے  
 ایسے بھی ہیں منظر جو دکھائی نہیں دیتے  
 اسے قفس کی دیوی تری باہوں کے ترانے  
 محسوس تو ہوتے ہیں سنائی نہیں دیتے

مہکی ہوئی گفتار میں پھولوں کا تبسم  
 بہکی ہوئی رشتہ میں جھونکوں کی روانی  
 ممکن ہے خزاؤں کا تصویر ہی بدلے  
 اے جان بہلاں تری گلپوش جوانی



## غزل

نہ جانے آخر شب کیوں ستارے ڈوب جاتے ہیں  
کہ ان کے ساتھ کچھ رنگیں نظارے ڈوب جاتے ہیں

یہ دھندلائی ہوئی صبحیں، یہ کھلائی ہوئی شامیں  
انہیں کی فکر میں کچھ غم کے مارے ڈوب جاتے ہیں

بھنور سے بچ نکلنا تو کوئی مشکل نہیں لیکن  
سفینے عین دریا کے کنارے ڈوب جاتے ہیں

کبھی اپنی رعونت بھی مگادیتی ہے ساحل پر  
کبھی ہم ناخداؤں کے سہارے ڈوب جاتے ہیں



ہم اپنے دل کی دھڑکن کو بن کر راز دار اپنا  
ترے غم میں کیا کرتے ہیں اکشر انتظار اپنا

اگر دل ہے تو کلیوں کی اُداسی پر بھی تر پیے گا  
اگر ہم ہیں تو ہو گا جانشاروں میں شمار اپنا

ترے قدموں پہ لاڈالا اگر دل نے وقار اپنا  
محبت کو زمانہ سوئپ دے گا اختیار اپنا

جہاں آرزو میں منزلِ راحت اُسی کی ہے  
نچھاور کر دیا ہے جس پہ راہوں نے غبار اپنا



نہ جانے کونسی منزل پہ آ پہنچا ہے پیارا اپنا  
 نہ ہم کو اعتبار اُن کا۔ نہ اُن کو اعتبار اپنا

گلوں کی نیم بسمل زندگی کا رقص جاری ہے  
 چمن والو! چمن میرا دیکھ لو جتن بہار اپنا



تمناؤں کو سینے سے جدا ہونے نہیں دیتی  
 محبت درد سے نا آشنا ہونے نہیں دیتی  
 اگر آنکھوں کے پردے میں کوئی نعمت سلامت ہو  
 تو خاموشی نظر کو بے صدا ہونے نہیں دیتی  
 مرے غم کو وفا کے آئینے میں دیکھنے والے  
 بس اک ضد ہے کہ تو ہیں وفا ہونے نہیں دیتی  
 وہ تنہائی جسے تیرے تصور کا بھروسہ ہو  
 شب غم بھی سحر کی ابتدا ہونے نہیں دیتی  
 تمہیں کہہ دو وہ دیوانے کہاں سر بھپوٹے جائیں  
 جنہیں رسوا تمہاری خاک پا ہونے نہیں دیتی





خیال و خواب سے چل کر شعور تک پہنچے  
ترمی تلاش میں ہمسہم دور دور تک پہنچے

مذاق اہل نظر سے نہ کوئی ٹکھیل سکا  
پہنچنے والے غیاب و حضور تک پہنچے

اگر خلوص بھی شامل ہو رقصِ بھل میں  
تو بے بسی کا فسانہ غم ورتک پہنچے

وہ گلبدن جنہیں گردِ سفر نہ راس آئی  
پلٹ پلٹ کے حریر و سمور تک پہنچے

توہمات کی شبہم میں آپ غلطیاں تھے  
ہم آنچ بن کے خرد کی حضور تک پہنچے

مزاج دیدہ و دل میں کچھ اختلاف سا ہے  
وگر نہ تلخی غم بھی سرور تک پہنچے

قتیل اس کی مروت کا کیا ٹھکانہ ہے  
وہ اک نظر جو دلِ ناصبور تک پہنچے





دلوں میں درونگاہوں میں غم دھڑکتے ہیں    یہ سنگدل بھی تمھاری قسم دھڑکتے ہیں  
 خلوص شوق سے ربطِ جمال کیا مٹتی    کنارِ حسن میں دامنِ درد دھڑکتے ہیں  
 لہو کی بوند نہیں گرچہ سنگِ آہن میں    بہ پاسِ حرمتِ آذر صنم دھڑکتے ہیں  
 یہ میرا حسنِ نظر ہے کہ تیری شانِ سفر    بقدرِ دل تیرے نقشِ قدم دھڑکتے ہیں  
 سکونِ خاطر دل بھی ہے کوئی چیز، مگر    کچھ ایسے دل بھی ہیں جو دمِ بدم دھڑکتے ہیں  
 دھڑک رہا ہے کچھ ایسے تیرے خیال میں دل    مری نگاہ میں لوحِ قلم دھڑکتے ہیں

جو ہم نہ ہوں تو زمانے کی سانس اک جائے  
 قاتلِ وقت کے سینے میں ہم دھڑکتے ہیں



چمن چمن فریبِ رنگ و بو ہے اور کچھ نہیں  
 بس اک جمالِ خام چار سو ہے اور کچھ نہیں  
 قفس میں آشیاں کا نام سن کے مطمئن نہ ہو  
 یہ باغباں کا حسنِ گشت گو ہے اور کچھ نہیں  
 خمار ہے کہاں کہ دل کی تشنگی بجھائیے  
 اس انجمن میں سایہ سبو ہے اور کچھ نہیں  
 تمھیں گلوں کی بے بسی میں حسن کی تلاش ہے  
 یہ جستجو برائے جستجو ہے اور کچھ نہیں  
 کھٹک رہی ہے جو ابھی ضمیرِ کائنات میں  
 لٹی ہوئی بشر کی آبرو ہے اور کچھ نہیں





نفس نفس خوشی خوشی گزارتے چلے گئے  
ترے مریض غم تجھے پکارتے چلے گئے

قدم قدم پہ مصلحت غبار بن کے چھا گئی  
مگر ہم اپنی راہ کو سنوارتے چلے گئے

یہ اور بات ہے کہ زندگی بھنور کی زد میں تھی  
وگرنہ ہم تو سب کو پار اُتارتے چلے گئے

انہیں کے ترکشوں سے پوچھ منزلیں نصیب کی  
وہ لوگ جو خلا میں تیر مارتے چلے گئے

تمھاری انجمن کے ہم وہی مجھے چلائے ہیں  
جو تیرگی کو اور بھی نکھارتے چلے گئے

ترے لئے جو کھو گئے ہیں زندگی کے کھیل میں  
اگر وہ جیت جیت کر بھی ہار تے چلے گئے؟

مرے نڈھال و لولو! تمہیں کہاں سے لاؤں میں  
نہ جانے تم کہاں کہاں سدھارتے چلے گئے





پہلے مزاج رہ گذر جان جائیے      پھر گردِ راہ جو بھی کہے جان جائیے  
 کچھ بے سیا اگر ہے تو دربانِ میکہ      دیر و حرم میں بے سرو سامان جائیے  
 کچھ کہہ ہی میرا آپ کے سینے کی دھڑکنیں      میرا نہیں تو دل کا کہا مان جائیے  
 اکٹھا ہو پسی جی ہے نگاہوں کے آئیں      یہ آپ ہیں تو آپ یہ قربان جائیے  
 شاید حضور سے کوئی نسبت نہیں بھی ہو      آنکھوں میں جھانک کر نہیں پہچان جائیے

اپنی غزلِ قتیل وہ کوئل کی کوک ہے

جس کی تڑپ کو دور سے پہچان جائیے



لہر کے دل نگاہ کے زینے میں آ گیا  
 اک حسن زندگی کے قرینے میں آ گیا  
 دیوار بن گیا ہے بھنور کی اساس پر  
 ساحل کا ہر غرور سفینے میں آ گیا  
 اے دوست اپنی کیفیت برہمی تو دیکھ  
 کتنا حسین رنگ نکلنے میں آ گیا  
 اب تجھ سے کیا غرض ہمیں اے مرگِ ناگہاں  
 تیرا ہر اک مزا ہمیں جینے میں آ گیا  
 یوں حسرتوں میں گھل کے دھڑکتی ہے بیخودی  
 جیسے کسی کا دل مرے سینے میں آ گیا





چاند کی چاندی جب سورج کے سونے میں گھل جاتی ہے  
 ایک نشیلی آس ہماری آنکھوں سے دھل جاتی ہے  
 یوں محسوس ہوا ہے مجھ کو قسمت کی تاریکی سے  
 دُور اُفق پر جیسے تو کھولے ہوئے کا گل جاتی ہے  
 وہ فرزانے ہم دیوانوں سے کیا آنکھ ملائیں گے  
 جن کی نیت چمکیلی جھنکاروں میں تُل جاتی ہے  
 بستی بستی پھیل رہے ہیں آج ہمارے افسانے  
 باغ سے باہر بھی تو پیارے خوشبوئے گل جاتی ہے  
 درد کی یہ بیداری اُن کے ظلم پہ ہی موقوف نہیں  
 اکثر پیار کی آہٹ سے بھی آنکھ مری گھل جاتی ہے



امیدوں کے بند جھرو کے وقت نے پھر سے کھول دیئے  
 جب آنچل کی اوٹ سے تو نے بول رسیلے بول دیئے  
 ایک تصور — ایک چھنا کا اور وہی پھر خاموشی  
 جس نے ماضی کی آنکھوں میں میٹھے پسینے کھول دیئے  
 دُور خلاء کے پھیلاؤ میں جانے کیا کچھ دیکھ لیا  
 یاد کے سہمے پنچھی نے پھر اُڑنے کو پر تول دیئے  
 کوئی بتائے سینے میں کیا سانس نہیں جم جائے گی  
 پلکوں نے جب خساروں پر گھیلے موتی رول دیئے  
 پچھلے سال بھی جشن ہوا تھا اب کے سال بھی جشن ہوا  
 ایک نے دل کے زخم سے تھکا ایک نے ٹانگے کھول دیئے





پیار کی ہار سے ڈرنا کیسا پیار کی ہار بھی جیت ہے پیارے  
 ٹوٹے دل کی ٹیسوں میں بھی ایک سہانا گیت ہے پیارے  
 پیار کے دکھڑے قدم قدم پر ایک اچھوتی راہ سمجھائیں  
 ورنہ اس اندھیارے جگ میں کون کسی کامیت ہے پیارے  
 اُجلی سیج پہ سونے والے پیار کی سندرتا کیا جانیں  
 پریمی کی پلکوں پر موتی، سانسوں میں سنگیت ہے پیارے  
 اپنی آشاؤں کی کلیاں اس دنیا سے اوجھل کر لے  
 پھول پہ پھول اڑا کر ہنسنا اس دنیا کی ریت ہے پیارے  
 رات کے گہرے سناٹے میں شبنم بن کر رونے والی  
 یا چندا کی ڈھلتی چھایا یا پنچھی کی پریت ہے پیارے



پیار تمھارا بھول تو جاؤں، لیکن پیار تمھارا ہے  
یہ اک میٹھا زہر سی یہ زہر بھی آج گوارا ہے

ہانپ گئے پتوار، سفینے چلتے چلتے چھوڑ ہوئے  
یہ ہے بھنور تو اے ملا تو کتنی دُور کنار ہے

ہم تو ایک انوکھی ضد میں اپنی جان پہ کھیل گئے  
تمھیں بتاؤ اُجر طی راتو! کیا جیتا کیا ہارا ہے

او بے رحم مسافر ہنس کر ساحل کی توہین نہ کر  
ہم نے اپنی ناؤ ڈبو کر تجھ کو پار اتارا ہے



اُجر ٹی ہوئی راتوں کے منظر آنکھوں میں بسائے بیٹھے ہیں  
تم نے تو ہمیں ٹھکرا بھی دیا ہم آس لگائے بیٹھے ہیں

جھانکونہ ہمارے اشکوں سے یوں جلوہ منائی ٹھیک نہیں  
دیکھو تو ذرا اس محفل میں کچھ لوگ پرائے بیٹھے ہیں

اے سوزِ محبت چھوڑ بھی دے آزاد بھی کر دیوانوں کو  
ہم لوگ غمِ دوراں کے لئے کچھ ہوش میں آئے بیٹھے ہیں

وہ چوٹ جو دل پر کھائی تھی اس چوٹ کا اب احساس کب  
اک داغ سا باقی ہے جس کو ہم یاد بنائے بیٹھے ہیں!

گھنگھور گھٹا کے آپھل کو جب کالی رات پھوڑ گئی  
 اک تنہائی کو چین ملا، اک تنہائی دم توڑ گئی  
 اے وقت کے اندھے رکھو! بے راز تو ہم بھی جانتے ہیں  
 بے چہرہ تمھاری آنکھوں سے کیوں بینائی منہ موڑ گئی  
 اک وہ بھی سفینہ تھا اپنا جو ساحل ساحل گھوم گیا  
 اک یہ بھی ہماری کشتی ہے جو لہروں میں سر پھوڑ گئی  
 ہرچند نظر نے تاروں پر سخون تو مارا ہے لیکن  
 یہ رات سحر کے دامن پر کچھ داغ لہو کے چھوڑ گئی  
 انسان کا روشن مستقبل جس وقت چہرے غ راہ بنا  
 ہر منزل اپنے قدموں سے تاریخ کا ناٹھ چوڑ گئی



بے کیف جوانی میں کیا کیا سامان خریدے جاتے ہیں  
 آہوں کے بگو لے اشکوں کے طوفان خریدے جاتے ہیں

دل سے تو کوئی کیا چاہے گا اس اُجر طے ہوئے کاشانے کو  
 مجبوری کا یہ عالم ہے مہمان خریدے جاتے ہیں

ہر چیز کا سودا چلتا ہے دن رات بھرے بازاروں میں  
 جھنکاریں بھی جاتی ہیں ایسا خریدے جاتے ہیں

اک بات بھی ہوتی تُل جاتے ہم سونے کی میزبانوں میں  
 افسوس یہاں دو کوڑی میں انسان خریدے جاتے ہیں

ضمیرِ لالہ و گل کی پکار بن کے اُٹھو  
اُٹھو تو شعلہٴ رنگ بہار بن کے اُٹھو

تمھاری راہ میں آنکھیں بچائیں گے تارے  
دلوں میں دردِ غم انتظار بن کے اُٹھو

بڑھو غلوں میں تہوڑے سے جانبِ منزل  
غزورِ گردِ سر راہ گزار بن کے اُٹھو

ابھی خزاں کے تلاطم میں ہے سفینہٴ گل  
روشِ روش سے نشانِ وقار بن کے اُٹھو



نکھر نکھر کے مٹے گا جمالِ سرو و سمن

سروِ خونِ رگِ شاخسارِ بن کے اٹھو

تھی یہ وقت کی صورت گرمی بھی لازم ہے

کبھی تو خالقِ لیل و نہارِ بن کے اٹھو

پھرو ہی چھینیں۔ امیروں کو نہ جانے کیا ہوا  
 جل نہیں اٹھتے ذخیروں کو نہ جانے کیا ہوا  
 خیر مقدم ہو رہا ہے ہر نئے صیاد کا  
 اہل گلشن کے ضمیروں کو نہ جانے کیا ہوا  
 ہائے یہ سونے کا دریا ہائے پیاسی زندگی  
 میرے ہاتھوں کی لکیروں کو نہ جانے کیا ہوا  
 بامِ پرا نکھیں لگی ہیں اور قدم اٹھتے نہیں  
 چلتے چلتے راہگیروں کو نہ جانے کیا ہوا  
 ایک بھی نغمہ سلاسل سے نہ پیدا کر سکے  
 آج زندہ دل اسیروں کو نہ جانے کیا ہوا



عشق جلووں کو اگر دعوت پر واز نہ دے  
کوئی بھی دیکھنے والا تجھے آواز نہ دے

میں نے ہر چیز بلکتے ہوئے شب کاٹی ہے  
پھر بھی اے درد مجھے طعنہ دمساز نہ دے

ہم مصفیروں کا بھروسہ ہی بہت ہے مجھ کو  
اب خدا را کوئی صیاد کو آواز نہ دے

تجھ سے کٹ کر بھی میں انجام کو بہلا لوں گا  
اپنے آنسو مجھے اے خندہ آغاز نہ دے

ان کے پہلو میں دھڑکنا تو بجا ہے، لیکن  
اس قدر دور سے اے دل مجھے آواز نہ دے

میں نے بیدار مٹی انسان کی قسم کھائی ہے  
اپنی تاثیر مجھے اے نگہ ناز نہ دے

بیچ کر حسن چمن شان چمن کہلاؤں  
دینے والے مجھے ایسا کوئی اعزاز نہ دے



گلاب کی پنکھڑی پہ جیسے کوئی کرن جھللا رہی ہے  
 تمہارے یاقوت سے لبوں پر نگاہ کو نیند آرہی ہے  
 یہ اک تقاضا کہ جیسے تالاب میں کوئی بلبل سا ٹوٹے  
 یہ التفاتِ جمال تیرا کہ رات باہوں میں آرہی ہے  
 ترے بدن کی ملاحظوں کے یہ پے بہ پے عطر پاش طوے  
 کہ جیسے تانبے کی طشتری سے گلاب کی بو آرہی ہے  
 تمہاری باہوں کے املہاتے فریب میں آگئے مسافر  
 قدم رُکے بھی تو ہم نے جانا کہ ہم کو منزل بلا رہی ہے  
 کبھی کبھی عارضوں کے شعلے نگاہ کو یوں جھلس گئے ہیں  
 کہ جیسے برفاب کی صراحی شفق سے آنکھیں ملا رہی ہے

چاندنی کے سائے میں جب چکڑ سوتا ہے  
انتظار بہنستا ہے، اختیار روتا ہے

رحم کی توقع اور آسمان والے سے؟  
آدمی کے پہلو میں ایک دل تو ہوتا ہے

آئینے میں آئینہ کس کی شکل دیکھے گا  
مفلسوں کی دُنیا میں عشق عمر کھوتا ہے

دم بخود ہے اک دنیا حیرتوں کے ساحل پر  
کون تیرے والا اب کسے ڈبوتا ہے



نگاہوں کی خاموش فریاد سن کر کوئی زیر لب مسکرا نے لگا ہے  
 اگر شیوہ دلنوازی یہی ہے تو ہوش اپنے دل کو بھی آنے لگا ہے  
 ترے پیار سے جو راغیار بہتر کہ اس میں کوئی مصلحت تو نہ ہوگی  
 یہ کیا دل لگی ہے کہ تو ہم سے آنکھیں ملاتے ہی دامن بچانے لگا ہے  
 تری چوڑیوں کے رسیلے چھنا کے سلاسل کی جھنکار سے کم نہیں تھے  
 مگر اب کوئی حادثہ زندگی کا سماعت سے پردہ اٹھانے لگا ہے  
 جوانی کے بے کیف لمحوں نے اکثر انوکھے انوکھے سہارے دیئے ہیں  
 اکیلے میں یوں بھی نگاہیں اٹھی ہیں کہ جیسے کوئی چہم سے آنے لگا ہے  
 قاتل آج تک دوستی کے بھرم میں کچھ اس ڈھب کے انساں تراشے ہیں  
 کہ جن کی مرمت کا ایک ایک صدمہ رگ جاں میں ٹیسیں اٹھانے لگا ہے

ہونٹوں پہ مسکراہٹ، آنکھوں میں ہے نمی سی  
وہ سامنے ہیں پھر بھی باقی ہے کچھ کمی سی

الفت میں دو دلوں کی کیفیتیں نہ پوچھو  
یہ غم الگ الگ سا، رنجش وہ باہمی سی

اک برق سیم تن کی یہ قربتِ فراواں!  
شعلوں میں آپڑی ہے اک راتِ شبنمی سی

یہ لمس لب بہ لب میں اک بیخودی کا عالم  
رفتارِ دو جہاں ہو جیسے تھمی تھمی سی



اسساس کی حدوں میں سہلا رہی ہے دل کو  
اک پر تو صبا کی آواز ریشمی سی؛  
برپا قتل کب سے اک جبرِ مستقل ہے  
رہتی ہے حسرتوں کی دل میں ہما، ہمی سی

وہ بیٹھے ہیں پس حلیم حجاب ایسے بھی ہوتے ہیں  
برہنہ جو کریں دل کو نقاب ایسے بھی ہوتے ہیں

سوا پہلے سے بھی کر دی کسی نے تشنگی دل کی  
جو بن بر سے پلٹ جائیں سحاب ایسے بھی ہوتے ہیں

سحر کے بعد بھی آنکھیں ترستی ہیں شعاعوں کو  
نہ ہو جن میں اجالا آفتاب ایسے بھی ہوتے ہیں

گلے میں طوق پیروں میں سلاسل آنکھ میں شعلے  
ہم ان کی انجمن میں باریاب ایسے بھی ہوتے ہیں



کسی کا عکس بن جاتی ہے اپنی شکل بھی جن میں  
کچھ آئینے بہ فیضانِ شباب ایسے بھی ہوتے ہیں

بہ پاس گریہ شبنم بھی گل خاموش ہیں — ورنہ  
شرِ جن کی قسم کھائیں گلاب ایسے بھی ہوتے ہیں

پریشاں ہے ہر اک شارِخِ سمن، زنجیرِ سنبل سے  
بہ چمن والو چمن میں انقلاب ایسے بھی ہوتے ہیں

ترے ستم کے قرینے کہاں کہاں نہ ملے  
 بھنور کے ساتھ صفینے کہاں کہاں نہ ملے  
 بچی نہ کوئی بھی منزل ہمارے اشکوں سے  
 یہ دل گداز گلیں کہاں کہاں نہ ملے  
 نہ مل سکے تو فرازِ جمال تک نہ ملے  
 ملے تو درد کے زینے کہاں کہاں نہ ملے  
 بنے فلک پہ ستارے تو آنکھ میں آنسو  
 وہ غم دیئے جو کسی نے کہاں کہاں نہ ملے  
 جگر کی ٹیس میں، قلبِ نظر کی حیرت میں  
 مجنتوں کے دینے کہاں کہاں نہ ملے  
 جبین گل پہ ہے لرزاں ستارہ شبِ نیم  
 ندامتوں کے پسینے کہاں کہاں نہ ملے





